مولانا نے اگر خدانخواستہ کہیں ان غافلین کو جھنجوڑنے کے لئے کوئی جملہ کہدیا تو اس سے مقصد انکار نہیں بلکہ ایقاظ ہے وہ مولوی جو غفلت شعار ہیں اور کسی آنے والے کے لئے محو انتظار ان کا علاج وہی الفاظ ہیں جو مولانا نے کہیں کہدیے ہوں گے۔ واللہ اعلم

بشیر احمد عاجز قیصرانی
رحیم یار خان

نعت بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

تصور میں اپنے جو رہتے سدا ہیں
وہ خیر البشر ہیں وہ خیر الوریٰ ہیں

جہنم کا کیوں کر انہیں خوف ہوگا
مہربان جن پر رسولِ خدا ہیں

وہ شافعِ محشر۔ وہ ساقیٔ کوثر
وہ آنکھوں کی ٹھنڈک وہ دل کی جلا ہیں

رسولِ خدا تو سبھی بن کے آئے
مگر میرے آقا حبیبِ خدا ہیں

فقط چاہیئے آپ سے مجھ کو نسبت
وگرنہ میں کیا میرے اشعار کیا ہیں

زمانے کو جن سے ملا فیض عاجزؔ
وہ انسانِ کامل میرے راہ نما ہیں

غزوۂ بدر

مولانا ابوالکلام آزاد
ترتیب: مولانا غلام رسول مہر

آخری قسط

ظہور دعوت اور اس کے نتائج

مکہ میں جب پیغمبر اسلام کی دعوت کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک ان لوگوں کا تھا جنھوں نے یہ دعوت قبول کی، دوسرا پوری قوم اور اس کے سرداروں کا جو اس کے مخالف تھے۔ غور کرو، دونوں میں بنائے نزاع کیا تھی!

پیروان دعوت کہتے تھے، انھیں حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اختیار کریں۔ مخالف کہتے تھے انھیں یہ حق حاصل نہیں یعنی وہ انسان کے اعتقاد و ضمیر کی آزادی تسلیم نہیں کرتے تھے، چاہتے تھے، بزور شمشیر مسلمانوں کو ان کے اعتقادات سے پھرا دیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کیے۔ آخر جب مکہ میں زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو مدینہ چلے آئے لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ پے در پے حملے شروع کر دیے۔

اب پیغمبر اسلامؐ کے سامنے تین راہیں تھیں؛

۱۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے، اس سے دست بردار ہو جائیں۔

۲۔ اس پر قائم رہیں مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں۔

۳۔ ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں۔

انھوں نے تیسری راہ اختیار کی اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکل چکا ہے، یعنی حق فتحمند ہوا اور ظالموں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

قرآن نے جس لڑائی کو جائز رکھا اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

احکام جنگ

چونکہ لڑائی کی حالت پیش آ گئی تھی اس لیے اس کے ضروری احکام بیان کر دیے گئے۔ اس سورت (الانفال) میں اور اس کے بعد کی سورت میں تذکیر و موعظت کا مرکز یہی حالت ہے۔

۱۔ مالِ غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے، وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہیے کہ جو جس کے ہاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا، بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہیے، وہ اسے جماعت میں تقسیم

کرے گا۔

۲۔ ان کی حالت ہر بار لڑائی کی، لیکن مسلمانوں کو باہم گرمیل و صفائی کے ساتھ رہنا چاہیے۔

۳۔ ہر حال میں تقویٰ اور اطاعت ان کا نصب العین ہو کر بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں۔

۴۔ سچا مومن وُہ ہے جس کی روُح خدا پرستی سے معمور رہتی ہے، جس کا ایمان گھٹنے کی جگہ برابر بڑھتا رہتا ہے جو نماز قایم رکھتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔

۵۔ یہ آیت[1] اس باب میں ناطق ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے، نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ہیں، کیفیت و یقین میں تفاوت ہے۔

۶۔ عرب جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑائی میں جو مال جس کے ہاتھ لگ جاتا، وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں میں بھی ایسا ہی دستور تھا اور آج کل بھی یورپ کی تمام قوموں میں ایسا ہی قانون رائج ہے۔ جس شہر یا قلعہ کو فوج حملہ کر کے فتح کرلیتی ہے، ایک خاص وقت تک اسے لوٹنے کا حق ہوتا ہے چنانچہ ہندوستان میں انگریزی فوج نے سرنگاپٹم، بھرت پور اور حیدر آباد سندھ کو بے دریغ لوٹا اور غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی فتح ہوئی تو سات دن تک فوجیوں کو لوٹ مار کی اجازت دے دی گئی تھی، لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مال غنیمت جو کچھ بھی ہاتھ آئے، حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے۔ . . . . نہ کہ لوٹنے والوں کا، سپاہیوں کی ذاتی طمع و حرص کے ابھرنے کی راہ روک دی۔ چونکہ یہ نئی قسم کی سختی تھی، اس لیے ناگزیر تھا کہ لوگوں پر شاق گزرے۔ پس پہلے تقویٰ اور اطاعت کی تلقین کی پھر سچے مومنوں کی شان بتلائی۔

مختلف معارف

اس معاملے یعنی غنیمت کو بھی ویسا ہی معاملہ سمجھو جیسا جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔ لوگوں کی خواہش دوسری تھی۔ اللہ کے رسول کا فیصلہ دُوسرا تھا، بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وہی تھی جو اللہ کے رسول نے چاہی تھی۔

---

[1] سورۂ انفال کی آیت ۲،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ؏

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وُہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں۔

معاملہ یہ تھا کہ ہجرت کے دوسرے سال جب رؤسائے مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا تو اسی زمانے میں ان کا ایک تجارتی قافلہ بھی شام سے مکہ آرہا تھا اور مدینہ کے قرب وجوار سے ہو کر گزرنے والا تھا۔[1] پیغمبرِ اسلام نے وحیِ الٰہی سے مطلع ہو کر فرمایا: ایک گروہ مکہ سے آرہا ہے، دوسرا قافلہ ہے۔ ان دو میں سے کسی ایک سے ضرور جنگ ہو گی اور تم کامیاب ہو گے چونکہ قافلے کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے اس لیے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو۔ مکہ والی فوج سے نہ لڑیں کیونکہ خود بڑی ہی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے مگر پیغمبرِ اسلام نے لوگوں کے ان خیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلے کا فیصلہ کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے رؤسائے مکہ کے پورے لشکر کو شکست دے دی۔

آیت ، (الانفال) میں "غیر ذات الشوکۃ"[2] سے قافلے والی جماعت مراد ہے۔ آیت ۵، ۶ الانفال) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ایک فریق نے پیغمبرِ اسلام فیصلہ مان لیا تھا مگر دل میں سخت ہراساں تھا۔ نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا، گویا موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔

فرشتوں کا معاملہ

آیت ۹[3] (الانفال) سے واضح ہو گیا کہ فرشتوں والی بات صرف اس لیے تھی کہ کمزور مسلمانوں کے دل قرار پا جائیں۔ یہ بات نہ تھی کہ لڑائی کی فتح مندی ہی اسے کچھ

---

[1] بدر مدینہ منورہ سے اسّی میل کے فاصلے پر ہے اور ساحل بحر بدر سے قریب ہے۔ مولانا کا مقصد یہ نہیں کہ تجارتی قافلے کا راستہ مدینہ منورہ سے بہت قریب تھا۔ مراد بظاہر یہ ہے کہ مقابلتہً قریب تھا۔

[2] وَ اِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ

اور (مسلمانو) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا (دشمنوں) کی دو جماعتوں میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ ضرور آئے گی اور تمہارا حال یہ تھا کہ چاہتے تھے جس جماعت میں لڑائی کی طاقت نہیں (یعنی قافلے والی) وہ ہاتھ آجائے اور خدا چاہتا تھا اپنے وعدے کے ذریعے حق کو ثابت کر دے اور دشمنانِ حق کی جڑ بنیاد ہی کاٹ کر رکھ دے۔ یہ اس لیے تھا کہ حق کو حق کر کے اور باطل کو باطل کر کے دکھلا دے۔ اگرچہ ظلم و فساد کے مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں۔

[3] اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۔ وَ مَا

جب تم نے اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی کہ ہماری مدد کر اور اس نے تمہاری فریاد سن لی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں

(باقی ص ۲۸ پر)

داخل ہو۔ چنانچہ محققین تفسیر و حدیث اسی طرف گئے ہیں کہ فرشتوں کا نزول مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے ہوا تھا۔ لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں۔ نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی اور آیت ۱۲ (الانفال) میں فاضربوا کا خطاب مسلمانوں سے ہے، نہ کہ فرشتوں سے۔

مسلمانوں کے دلوں کو تھامے رکھنے کے لیے جو فرشتوں کا نزول ہوا، اس کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ معاملہ بھی عالم غیب کے حقائق سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم اپنے ذہن و ادراک سے اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے۔

بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی حالت بڑی ہی بے بسی اور کمزوری کی تھی۔ تین سو تیرہ آدمی لڑنے کے قابل تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا پس قدرتی طور پر لوگ ہراساں ہوئے اور جو دل کے کچے تھے انھیں طرح طرح کے وسوسے ستانے لگے۔ پھر بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ پانی کی جگہ ایک ہی تھی اس پر دشمن قابض ہو گیا۔ علاوہ بریں زمین ریتلی تھی۔ پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ دشمن سوار تھے ان کا کچھ نہ بگڑتا۔ مسلمان پیدل تھے ان کے پاؤں نہ جمتے۔

اہل حق کا اطمینان قلب

آیت ۱۱ (الانفال) میں فرمایا، غور کرو، خدا کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں؟ اس نے دلوں کو چین دینے کے لیے تم سب پر نیند غالب کر دی۔ اٹھے، تو دل کا سارا خوف و ہراس دور ہو چکا تھا چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، بدر کی پہلی رات کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو۔ ہاں آنحضرت صلعم رات بھر عبادت کرتے رہے (بیہقی فی الدلائل) اور معلوم ہے، جس کے دل میں خوف و خطر ہو، وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا۔ پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القا تھا۔ پھر عین موقع پر بارش ہو گئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے ہو گئے کوئی نہ تھا جو چست و چاق اور تازہ دم نہ ہو گیا ہو۔ بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں کے دھنس دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی و مایوسی جو دراصل شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی اب کسی کے

(بقیہ ص ۲۸۸)

جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

ایک ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے تمھاری مدد کروں گا اور اللہ نے جو یہ بات کی، اس کا مقصد اس سوا کچھ نہ تھا کہ (تمھارے لیے) خوشخبری ہو اور تمھارے مضطرب دل قرار پا جائیں ورنہ مدد تو ہر حال میں اللہ ہی کی طرف سے ہے بلاشبہ وہ سب پر غالب آنے والا اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔

دل میں باقی نہ رہی۔

معنوی قویٰ کی درستی آجکل فن جنگ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی سپرٹ یعنی معنوی قویٰ درست رکھے جائیں۔ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہ رہی، ریت میں دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آگئی، لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ہوگی، اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں۔

بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ جنگ واٹرلو کے تمام مورخین متفق ہیں کہ اگر ۱۷۔ اور ۱۸۔ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا کیونکہ اس صورت میں نپولین کو بارہ بجے تک زمین خشک ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔ وہ سویرے سے ہی لڑائی شروع کر دیتا نتیجہ یہ نکلتا کہ بلوخر کے پہنچنے سے پہلے ویلنگٹن کو شکست ہو جاتی۔

واٹرلو میں بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن بدر میں نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرۂ ارضی کی ہدایت و سعادت کا نقشہ اُلٹ جاتا۔ اسی طرف پیغمبر اسلام نے اپنی دُعا میں اشارہ کیا تھا: اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض۔ خدایا! اگر غلاموں کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو کرۂ ارضی میں تیرا سچا عبادت گزار کوئی نہیں رہے گا۔

حق و باطل میں امتیاز الانفال ۲۹ [1] سے معلوم ہوا جو جماعت متقی ہوگی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی اور اس لیے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اوّل کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرانشین جن کی ساری زندگیاں اُونٹ چرانے میں بسر ہوئی تھیں، یکایک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے۔ لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضے میں آگئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق و عدالت اور خیر و سعادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

وہ زمانہ کیا ہوا جب، مری آہ میں اثر تھا
یہی چشم خوں نشاں تھی یہی دل، یہی جگر تھا

---

[1] یعنی مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تو وہ تمہارے لیے (حق و باطل میں) امتیاز کی ایک قوت پیدا کر دے گا اور تم سے تمام بُرائیاں دُور کر دے گا اور بخش دے گا اللہ تو بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔

خدا کی مخفی تدبیریں | "الانفال" ۳۰ پر غور کرو۔ انسان اپنے جہل وغفلت کی سرشاریوں میں کیا سوچتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیروں کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ ہجرت سے پہلے قریش مکہ نے منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحے کے لیے بھی انہیں آنے والے نتائج کا گمان ہو سکتا تھا؟ مگر کس طرح خود انہی کے ظلم وعداوت نے ان کا سارا سروسامان کر دیا؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے۔ ایسی ہی صورت حال قانون الٰہی کی مخفی تدبیر ہے جو انسانی ظلم وفساد کی ساری تدبیریں ملیا میٹ کر دیتی ہے۔

دین کا نشہ حق | جب بدر میں مٹھی بھر بے سروسامان جنگ کے لیے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں، انہیں ان کے دین کے نشے نے مغرور کر دیا ہے۔ بات اگرچہ بطور طعنہ کہی گئی تھی لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا، لیکن نشۂ باطل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (۴۹ الانفال)[۲] میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ من یتوکل علی اللہ[۳]

صلح و امن | آیت ۶۱ اور ۶۲[۴] (الانفال) نے کیسے قطعی لفظوں میں قرآن کی دعوت امن کا اعلان کر دیا ہے؟ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب جنگ بدر کے فیصلے نے مسلمانوں کی فتح مندی کا ڈنکا بجا دیا تھا اور تمام جزیرۂ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا۔ حکم ہوا جب کبھی دشمن صلح وامن کی طرف جھکے چاہیے کہ بلا تامل تم بھی جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو ہوا کرے، اس کی وجہ سے صلح وامن کے قیام میں ایک لمحے کے لیے بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔

خدا کی خاص نعمت | دنیا کا کوئی کام انسان کے لیے اس سے زیادہ مشکل نہیں کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتۂ الفت میں پرو دے اور یہ کام تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، جب معاملہ ایسے انسانوں کا ہو جو صدیوں سے باہمی جنگ وجدال کی آب وہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں اور جن کے

---

[۱] اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منکرین قریش کی مخفی تدبیروں کی طرف ہے۔ [۲] اور جب ایسا ہوا تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، کہنے لگے تھے، ان مسلمانوں کو تو دین نے مغرور کر دیا ہے۔ [۳] اور جس کسی نے اللہ پر بھروسا کیا تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ [۴] اور دیکھو اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو چاہیے تم بھی اسی طرف جھک جاؤ اور ہر حال میں اللہ پر بھروسا رکھو...... اگر ان کا ارادہ یہ ہوگا کہ تجھے دھوکا دیں تو اندیشے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کی ذات تیرے لیے کافی ہے۔

نفسیاتی سانچوں میں باہمی آمیزش و ائتلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایسے ہی لوگوں میں ہوا تھا، مگر ابھی ان کی دعوت پر دس بارہ ہی برس گزرے تھے کہ دینہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جو اس اعتبار سے بالکل ایک نئی مخلوق تھی۔ وہ جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے باہمی کینہ و انتقام کا مجسمہ تھے لیکن جونہی مسلمان ہوئے، محبت و سازگاری کی ایسی پاکی و قدوسیت ابھر آئی کہ ان میں کا ہر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے مستعد ہوگیا۔

فی الحقیقت یہی وہ تزکیہ اخلاق کا عمل ہے جو ایک پیغمبرانہ عمل تھا اور جو پیغمبر اسلام کی تعلیم و تربیت نے انجام دیا اور اس کی طرف آیت ۶۳ (الانفال) میں اشارہ فرمایا ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا، مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے۔ افسوس ان پر، جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہو گئے اور اس کے لیے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہیں کی۔ آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہوگئی ہے۔ اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں۔

اسیران جنگ

جنگ بدر میں جب دشمن قید ہوئے تو سوال پیدا ہوا، اس بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ چونکہ اس وقت مسلمان بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے۔ اس لیے عام رائے یہ تھی کہ قیدیوں کے لیے فدیہ مانگا جائے اور جب تک فدیہ وصول نہ ہو قیدی رہا نہ کیے جائیں۔ بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ حضرت عمرؓ بھی انہی میں سے تھے لیکن آنحضرت صلعم نے عام رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا اور قیدیوں کے لیے فدیہ طلب کیا گیا۔ جن قیدیوں کے لیے فدیہ نہیں ملا وہ روک لیے گئے۔

اس پر آیت ۶۷ (الانفال) نازل ہوئی۔ فرمایا: دنیا میں نبی اس لیے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے۔ پس نبی کو سزاوار نہیں کہ جب تک اس کی دعوت ملک میں ظاہر و غالب نہ ہو جائے، اسیران جنگ کو فدیہ کے لیے روکے رکھے۔ تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے اور خدا نے تمہارے لیے آخرت کا انعام پسند کیا ہے۔[2]

---

[1] اللہ ہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے، جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا (انفال، ۶۳) [2] قرآن سے یہی پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے مسلمانوں کو آگاہ و خبردار کیا گیا ہے یعنی ان کا اصل مقصود مال یا فدیہ نہیں جسے "متاع دنیا" کہا گیا بلکہ دعوت حق کی اشاعت و سطوت ہے یعنی یہ بتانا تھا کہ لڑائیوں کا مقصد مال غنیمت، اسیران جنگ اور فدیہ نہیں، صرف دعوت حق کی پیشی ہے۔ نیز اس میں رکاوٹوں اور مزاحمتوں کا ازالہ ہے۔

چنانچہ اس کے بعد آیت ۷۰ (الانفال) نے معاملہ بالکل صاف کر دیا۔ فرمایا، جو قیدی تدبیے کے لیے روک لیے گئے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔

جہاں تک اسیرانِ جنگ کا تعلق ہے، سورۂ محمد کی آیت ۴ نے آخری حکم دے دیا ہے فاما منّا و اما فداءً یعنی آئندہ یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کرو یا بدلہ لے کر، جیسی مصلحتِ وقت ہو۔

چھ ضروری باتیں سورۂ انفال کی آیت ۴۵ سے آیت ۴۷ تک چھ باتوں پر زور دیا جو فتح و کامرانی کا اصل سرچشمہ ہیں:

۱۔ فاثبتوا: ثابت قدم رہو، کیونکہ میدان جنگ کی ساری کامیابی اُسی کے لیے ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہے۔

۲۔ واذکرو اللّٰہ کثیراً: اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، کیونکہ جسم کا ثبات دل کے ثبات پر موقوف ہے اور دل اُسی کا مضبوط رہے گا جو اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہے۔

۳۔ و اطیعوا اللّٰہ و رسولہ: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول کے بعد اپنے امام و سردار کی، کیونکہ بغیر اطاعت (ڈسپلن) کے کوئی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۴۔ و لا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم: باہمی نزاع سے بچو، ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور بات بگڑ جائے گی۔

۵۔ واصبروا ان اللّٰہ مع الصّٰبرین: کتنی ہی مشکلات پیش آئیں، جھیلتے رہو، بالآخر جیت اسی کی ہے، جو زیادہ جھیلنے والا ہو۔

۶۔ و لا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً و رئاء الناس و یصدون عن سبیل اللّٰہ: کافروں کا سا چلن اختیار نہ کرو۔ جو ایمان و راستی کی جگہ گھمنڈ اور دکھاوے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، تمہارے کاموں کی بنا خدا پرستانہ عجز و اخلاص پر ہونی چاہیے[1]۔

---

[1] یہ نصیحتیں غزوۂ بدر کے سلسلہ ذکر میں کی گئی ہیں اس لیے انھیں یہاں درج کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ میں نے اصل آیات کے ٹکڑے ساتھ ملا دیے۔ مولانا کو "ترجمان" میں اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آیتیں حواشی کے سامنے تھیں۔

۱۵

مصالحتی اور دفاعی مہمیں

(بدر سے احد تک)

غزوۂ الکدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے مراجعت کے بعد مدینہ منورہ میں سات دن سے زیادہ قیام نہیں فرمایا تھا کہ اطلاع ملی قبیلہ بنو سُلیم مدینہ منورہ پر یورش کی تیاریاں کر رہا ہے۔ مناسب یہی سمجھا گیا کہ غنیم کو اجتماع کی مہلت دیے بغیر اس کے خلاف پیش قدمی کی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے سِباعؓ بن عُرفطہ غفاری کو مدینہ منورہ پر قائمقام مقرر فرمایا (بعض روایتوں میں ابن اُمِ مکتوم کی قائمقامی کا ذکر ہے) اور خود الکدرؐ پہنچ گئے جو بنو سُلیم کی اجتماع گاہ تھا۔ بنو سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع پاتے ہی منتشر ہو گئے۔ حضور صلعم تین روز الکدر میں قیام فرما رہے۔ پھر مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

غزوۂ سویق ابوسفیان بدر سے مکہ مکرمہ پہنچا تھا تو قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر کے مقتولین کا بدلا نہ لے لے گا، نہ غسل جنابت کرے گا اور نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ وہ جلد از جلد بدلا لینے کے مقصد سے دو سو شتر سوار لے کر روانہ ہوا اور مدینہ منورہ سے دس بارہ میل پر ٹھہر گیا۔ پھر خود مدینہ جا کر بنو نضیر میں سے حیی بن اخطب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے دروازہ نہ کھولا تو سلام بن مِشکم کے گھر پہنچا جو بنو نضیر کا رئیس اور خزینہ دار تھا۔ وہاں پُر تکلف کھانا کھایا۔ شراب پی۔ راز کی تمام باتیں سنیں۔ بعد ازاں اپنے ساتھیوں کو لے کر عُرَیض پر چھاپہ مارا جو مدینے کے شمال میں تین میل پر قناۃ کے پاس ایک مقام تھا۔ وہاں چند درخت جلائے۔ ایک انصاری کو جو کھیت میں سویا ہوا تھا نیز اس کے حلیف کو قتل کیا۔ گھاس کے کچھ انباروں اور گھاس پھوس کے چند مکانوں کو آگ لگائی۔ یُوں اپنے خیال کے مطابق قسم پوری کر کے بھاگ نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو مدینہ منورہ پر ابو لبابہؓ بشیر بن عبد المنذر کو قائمقام مقرر کر کے ابوسفیان کے تعاقب میں نکل پڑے اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے، لیکن ابوسفیان ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو تھے جن کے بورے راستے میں پھینکتا گیا۔ یہ بورے صحابہؓ نے اٹھا لیے۔ ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے غزوے کا

لہ یاقوت کے بیان کے مطابق "الکدر" اور "مدینہ منورہ" کے درمیان قریباً چھیانوے میل کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان جلد ۷، ص ۲۲۴)

یہ واقعہ اوائل شوال سنہ ۲ھ کا ہونا چاہیے (مطابق اپریل سنہ ۶۲۴ء)۔